Research Journal
Tahqeed
تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر06، شمارہ نمبر01، جون-2025

اکبر الٰہ آبادی کی شاعری کا مابعد نو آبادیاتی تناظر

The Postcolonial Perspective of Akbar Allahabadi's Poetry

محمد آصف
اسکالر: پی۔ایچ ڈی اردو
یونی ورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا
ڈاکٹر سمیرا اعجاز
ایسوسی ایٹ پروفیسر
یونی ورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

Copyright: © 2025 by the authors. This is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract

During Akbar Allahabadi's time, Britain had established India as its colony. English culture and civilization began to spread as a result of British rule, which began with traders. The influence of colonialism on Indian history is undeniable. Akbar Allahabadi was one of the first to raise his voice against colonialism, using satire to critique Western culture in his poetry. He prioritized Eastern values and traditions over Western ones, and his work reflects a rebirth of Eastern traditions, culture, and religion. Post-colonial effects are prominent in his poetry.

Keywords: Akbar Allahabadi, Post-colonial, India, Culture, Civilization, Traditions.

تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیں تو عیاں ہوتا ہے کہ مختلف ریاستیں اور قومیں دوسرے خطوں اور اقوام پر اپنا تسلط قائم کرنے کی سعی کرتی رہی ہیں۔جب کوئی ریاست اپنی عسکری قوت کے زور پر کسی دوسرے خطے کے افراد پر اپنا غاصبانہ قبضہ کر کے اپنا تسلط قائم کرے اور وہاں کے وسائل اور افراد زر کو اپنی اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے لیے استعمال کرے،تو وہ مقبوضہ ریاست یا خطہ قابض ریاست کی نوآبادی کہلائے گی۔نو آباد کار اپنا تسلط جن اغراض و مقاصد کے تحت

کرتا ہے،ان میں بنیاد دوسرے خطوں کے وسائل پر تصرف حاصل کرنا ہوتا ہے۔اسے نو آبادیاتی باشندوں کی مرضی کے بغیر عمل میں لایا جاتا ہے،جبکہ دوسری طرف استعماریت کے اسباب میں معاشی اقتصادی فوائد کا حصول اور اپنی تہذیب،ثقافت، مذہب،علم اور ادب وغیرہ کے تناظرات کو مسلط کر کے دیر پا حاکمیت کے احساس کو فروغ دینا شامل ہے۔ قابض حکومت یا ریاست کا غلبہ افرادی طاقت،تجارتی منڈیوں اور وسائل وغیرہ پر ہوتا ہے ،جس سے وہ اپنی اقتصادی اور معاشی ترقی حاصل کرتی ہے۔صنعت و حرفت،تجارت اور دیگر معاشی شعبوں کے علاوہ مقبوضہ خطے کے تمام تر شعبے یہاں تک کہ حکومتی اور عسکری انتظام وانصرام چلانے والے ادارے بھی غالب ریاست کے زیر تسلط آ جاتے ہیں اور یہ ریاست اپنی نوآبادی پر قانونی بالادستی قائم کرتی ہے۔ استعماریت بنیادی طور پر نو آبادیاتی نظام سے تعلق رکھتی ہے۔

نوآبادیات (Colonialism) سمندر پار عملداریوں سے تعلق رکھنے کا نام ہے۔ایڈورڈ سعید کے نزدیک نو آبادیات سامراجیت کا نتیجہ ہے اور اس سے مراد دور دراز علاقے پر حکومت کرنا اور بستیاں بسانا ہے۔[1] نو آبادیاتی نظام کے حکومتی امور میں مقامی آبادی کی نمائندگی بہت کم یا نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔صرف ان اذہان کو سامراجی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے،جو بالواسطہ یا بلا واسطہ نوآبادیاتی اپروچ کو پروان چڑھانے کے لیے معاون ہوتے ہیں۔مقبوضہ علاقوں کے وسائل کو اپنے آبائی وطن منتقل کر کے اسے معاشی طورپر مستحکم کرنا مقصود ہوتا ہے۔کالونائزر کالونیوں کے عوام کی نگہداشت اور ان کے حقوق کے تحفظ کی ضامن نہیں ہوتی بلکہ ایک واحد اصول استحصال پر عمل پیرا رہتی ہے۔کالونائزر کا احساسِ برتری اور تفاخر محکوم عوام اور حکام کے مابین نفرت کی ایک خلیج قائم کر دیتا ہے۔مقامی لوگوں کے حقوق اور قانونی حیثیت حاکم ریاست کی عوام سے کم تر ہوتی ہے۔وہ درجہ دوم کے شہری تصور کیے جاتے ہیں اور ان کی ثقافت اور طرز بودوباش کو کم تر سمجھتے ہوئےان کے مذہبی تقدس کو بھی پامال کرتے ہیں۔ نو آبادیاتی نظام کا جواز نسلی اور تہذیبی برتری میں تلاش کیا جاتا ہے،محکوموں کی زندگی کے تمام شعبوں سماجیات، اقتصادیات،سیاسیات،علم و فن اور تہذیب و تمدن کو اپنے نظریات سے بدل کر نئے نظام اقتدار کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔اس نظام میں اقدار کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے محکوم قوم کے نظام فکر کی تحقیر و تکذیب مقصود ہوتی ہے۔دوسری طرف اسے قدامت پسند اور رجعت کا نمونہ قرار دیتے ہوئے،محکوم قوم کے نظام فکر کو بدلا جاتا ہے۔محکوم استعماری طرز زندگی کو اپنے لیے معیار زندگی بنا کر حاکم کے رنگ میں ڈھلنے کی کوشش کرتا

ہے،لیکن اس سعی کے باوجود حاکم اور محکوم کے رشتے کی نوعیت نہیں بدلتی اور ایک خلیج قائم رہتی ہے۔ محکوم اپنی ضروریات کے تحت وہی تصور قائم کرتا ہے،جو استعماری قوم نے متعین کیا ہوتا ہے۔ اپنی زبان وثقافت کی دوری سے غلامیت اور محکومیت کو فروغ ملتا ہے،جو آگے چل کر دیگر پیچیدہ نفسیاتی مسائل کا سبب بنتی ہے۔لسانی اور ثقافتی استعماریت کے حوالے سے ڈاکٹر ناصر عباس نیر رقم طراز ہیں:

> "نوآبادیاتی باشندہ نوآباد کار کی زبان سیکھتا ہے۔اس کا لباس اختیار کرتا ہے اس کے طرز بود وباش کی نقل کرتا ہے۔نقل و تقلید میں جتنا وہ آگے جاتا ہے اپنی تاریخ ثقافت اور اپنی اصل سے اتنا ہی دور ہوتا چلا جاتا ہے اپنی اصل سے دوری اسے طبعی اور نفسیاتی سطح پر ضرر پہنچاتی ہے جسے وہ بخوشی قبول کرتا ہے وہ اس ضرر کو محسوس کرتا ہے مگر نوآبادکار جیسے بننے کی خواہش کا زور اس کے احساس پر غالب آجاتاہے۔ یہ ایک پیچیدہ نفسیاتی عمل ہوتا ہے"۔(2)

ہندوستان میں انگریز کا تسلط نہ صرف اقتصادی حاکیت کا شاخسانہ تھا بلکہ علمی، ادبی اور ثقافتی افکارونظریات پر قابض ہونا بھی تھا۔مقامی لوگوں کی زبان علوم،ادب و ثقافت اور تہذیب و تمدن کو جہالت کا مرکز قرار دیا گیا۔ان کی تحقیر کر کے اپنی زبان ثقافت اور ادب کے نظریات کو معیار بنا کر اسے ادب، زندگی اور ثقافت کی جڑوں میں اتارنے کی کوشش کی گئی یہی بیانیہ نو آبادیاتی ہے۔ جبکہ دوسری طرف نو آبادیات کے خلاف بہت سی تحریکیں بھی سامنے آئیں ،جن سے استعمار زدہ اور محکوم اقوام میں آزادی کا جذبہ پیدا ہوا۔نوآبادیاتی عہد میں ہی آزادی کی تحریکوں نے زور پکڑا اور یہ تحریکیں کسی حد تک کامیابی سے ہمکنار بھی ہوئیں۔ نوآبادیات کے ظالمانہ نظام کی ٹوٹ پھوٹ ان حریت پسند اور بہادر لوگوں کی قربانیوں کا ثمر تھا۔ نوآبادیاتی نظام کے خلاف جو رویہ سامنے آیا اسے مابعد نو آبادیات سے تعبیر کیا گیا، لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مابعد نو آبادیات کا آغا نوآبادیاتی عہد سے ہی شروع ہو گیا تھا نوآبادیاتی نظام کے اثرات ہماری ثقافت ،سماج، ادب اور فنون لطیفہ پر مرتب ہوئے۔شاعروں ادیبوں فلسفیوں اور تاریخ دانوں نے اپنی تحریروں میں اس نظام کے اثرات کا ذکر کیا ہے ان تحریروں کے مطالعے کے لیے مابعد نوآبادیاتی مطالعے کی اصطلاح وضع کی گئی۔

مابعد نو آبادیاتی مطالعے کے تناظر میں اکبر الہ آبادی کی شعری کائنات کی متنوع جہات سامنے آتی ہیں۔ استعماری پالیسیوں کو عمل میں لانے کے لیے سرسید اور ان کے رفقائے کار نے تخلیقی و تنقیدی نمونے پیش کیے ۔انہیں اپنا ادب و ثقافت فرسودہ اور زندگی کی حرارت سے عاری نظر آنے لگا، جبکہ اس کے برعکس مغربی زبانیں اور نوآبادیاتی ثقافت ترقی یافتہ اور زندگی کے تقاضوں سے ہم آہنگ دکھائی دینے لگی ۔مغربی نظریات کی قبولیت اور پیروی مغرب کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ تعمیری سے زیادہ تقلیدی صورت اختیار کر گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مغربی نظریات کی قبولیت اپنی تہذیب وثقافت ادب کی تحقیر گریز نظریے پر قائم کی گئی۔ جس نے مثبت سے زیادہ منفی اثرات مرتب کیے، لیکن اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی ماننا چاہیے کہ سر سید عہد میں مذہب تہذیب اور ثقافت کے اثرات نمایاں تھے۔ اس عہد کے دانشوروں پر ان شعبوں کے واضح اثرات تھے۔ ان نو آبادیاتی اثرات کے اسباب کے ساتھ ان کی نفی میں مذہب اور تہذیب نے ہمنوائی کی اور اسلام اور ماضی کی عظمت نے نوآبادیات کی نفی میں ان کی معاونت بھی کی ،بعد میں آنے والی نسل کے لیے ان اثرات سے بچنا ناممکن تھا۔

اکبر الہ آبادی کے کلام کے ما بعد نو آبادیاتی مطالعے کے لیے ان امور کو ملحوظ خاطر رکھنا بہت ضروری ہے۔ انگریز عہد میں اکبر الہ آبادی خود نائب تحصیلدار اور ہائی کورٹ کے جج جیسے بڑے عہدوں پر براجمان رہے اور انگریز حکومت نے انہیں خان بہادر کے خطاب سے نوازا۔اتنے بڑے عہدوں پر متمکن رہنے کے باوجود وہ قلبی اور روحانی طور پر اپنی مشرقی تہذیب و ثقافت کے دلدادہ تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں انگریزی تہذیب اور کلچر کے خلاف مزاحمتی رویہ نظر آتا ہے۔وہ اپنے طنزیہ اور ظریفانہ اسلوب سے ایسا شعری بیانیہ پیش کرتے ہیں جو نوآبادیاتی نظام اور سامراجی ذہن کو آشکار کرتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں مرشد نے
کر دیا کعبے کو گم اور کلیسا نہ ملا
رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم
رنگِ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا (3)

درج بالا اشعار میں نئی تہذیب اور نو آبادیاتی نظام کی عمدہ عکس بندی کی گئی ہے۔ اکبر نے جس باریک بینی سے اس نظام کا مشاہدہ کیا، اس سے ان کے کلام میں ما بعد نوآبادیاتی اثرات کا درآنا ایک فطری امر تھا۔نوآبادیاتی نظام کے تحت جو تعلیم دی جارہی تھی اس کا مقصد انگریز کا اپنے ماتحت کلرک اور نوکر تیار کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔اکبر انگریز کی ان تمام چالوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ان کے ہاں ہر سطح پر مشرقی احیاء کا درس ملتا ہے۔ وہ ملی امنگوں اور قومی روایات سے محبت کرنے والے ایسے باشعور انسان تھے جنہیں ہم مشرق کا ترجمان قرار دے سکتے ہیں۔تاریخی اعتبار سے مشرق اور مغرب اپنی الگ تہذیبی روایات اور پہچان رکھتے ہیں۔دونوں براعظموں کے تصادم اور خلیج کی ابتدا یوں تو صدیوں پہلے صلیبی جنگوں کے سلسلے میں ہو چکی تھی۔ وہ دراصل اسلامی عروج اور اقتدار کا زمانہ تھا۔ مسلمان نہ دین سے اس دور میں بیگانہ تھے اور نہ دنیا سے اتنے بیزار تھے۔ اس لیے یورپ کے جنگ جو ایشیا کے در و دیوار سے ٹکرا کر ناکام ونامراد لوٹ رہے تھے۔ یورپ کی نشاط ثانیہ کے بعد مغرب کے علم و عمل پر جمود کے سیاہ بادل منڈلانا شروع ہو گئے تھے۔ اکبر الٰہ آبادی نے مشرق و مغرب کے اس تفاوت کو نہ صرف شدت سے محسوس کیا،بلکہ اپنے شعری پیکروں میں ڈھالنے کی شعوری اور فکری کوشش بھی کی وہ مشرق و مغرب کی یہ آویزش بڑی شدت سے محسوس کر رہے تھے۔

چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بنائے ملت بگڑ رہی ہے لبوں پہ ہے جان مر رہے ہیں
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا ابھر رہے ہیں
ادھر ہے قوم ضعیف ومسکیں ادھر ہے کچھ مرشدِن خود بیں
یہ اپنی قسمت کو رو رہی ہے وہ نام پر اپنے پر رہے ہیں (4)

سامراجی نظام اور مشرقی تہذیب کے اس تصادم میں مذہب اور سائنس کے مباحث بھی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اصل میں مغرب کے مادی نظریات مشرق کی مذہبی روحانیت سے تصادم ہو رہے تھے۔ ان حالات میں برصغیر کی جدید نسل کے افراد بھی ابہام کا شکار تھے۔اکبر الٰہ آبادی کے مذہبی عقائد بہت پختہ تھے۔ وہ اپنے مذہبی تصورات اور روایات کے

حوالے سے اپنا الگ نقطہ نظر رکھتے تھے ۔ان کا خیال تھا کہ ہمیں اپنے مذہبی اور اخلاقی عقائد کے سلسلے میں کسی قسم کے بحث و مباحثے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔وہ مذہب کو خالی عقیدے فلسفے اور مابعدالطبعیاتی شے تصور نہ کرتے تھے۔ وہ سیاسی و عمرانی مسائل الغرض پورے نظام حیات کا سرچشمہ مذہب کو ہی قرار دیتے تھے۔ مذہبی اور ملی عقائد کے حوالے سے وہ کسی قسم کی مصلحت سے کام نہیں لیتے۔ تاہم جب ان کا اہل وطن نو آبادیاتی نظام کی اثر پذیری کی وجہ سے اپنے اندر لچک پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو وہ بے اختیار ہو کر پکار اٹھتے ہیں:

گر جیب میں زر نہیں تو راحت بھی نہیں
بازو میں سکت نہیں تو عزت بھی نہیں
گر علم نہیں تو زور وزر ہے بیکار
مذہب جو نہیں تو آدمیت بھی نہیں (5)

ہم نشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں مذہب گیا
مین یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا (6)

نو آبادیات کے زیرِ اثر برصغیر کی سیاسی اور سماجی محکومی نے جہاں دوسرے مشرقی اقدار کو متاثر کیا وہاں مذہبی اور ملی عقائد پر بھی گہری چوٹ لگی ہے۔ حقیقت میں انگریز کا سامراجی نظام اپنی مختلف پالیسیوں کے تحت مغربی اقدار کو مشرقی روایات پر مسلط کرتا رہا تھا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

نو آبادیاتی نظام میں طبقاتی تقسیم انگریز کا ایک ایسا حربہ تھا جس سے مقامی لوگوں میں اشرافیہ اور غریب طبقے میں بہت زیادہ تفاوت پیدا ہو گئی۔ لوگوں کی طبیعتوں میں زر کی ہوس اور مادیت پرستی جیسی سوچ پروان چڑھی۔ برصغیر میں

انگریز کی آمد سے قبل امیر اور غریب عام طور پر ایک جیسے محلوں اور علاقوں میں رہتے تھے انگریز نے آکر غریب عوام کے لیے گنجان آباد اور تاریک و تنگ علاقے مختص کیے۔ امرا اور مقتدر طبقہ سول لائن میں اقامت پذیر ہوا۔ نوآبادیاتی نظام سے حاکم و محکوم کی اقامت گاہوں کے حوالے سے جو تفریق پیدا ہوئی وہ وقت کے ساتھ بڑھتی ہی چلی گئی جس کی انتہائی شکل آج بھی دیکھی جا سکتی ہے ۔اکبر الہ آبادی کے دور میں پورا معاشرتی نظام مختلف بحرانوں سے گزر رہا تھا۔ ایسے ماحول میں قدیم و جدید اقدار کی کش مکش جاری تھی۔ اکبر الہ آبادی نے برصغیر کی اس تمام تر صورتحال کا بغور مشاہدہ کر رہے تھے۔ وہ اس ضرورت کو محسوس کر رہے تھے کہ مسلمان اپنے لیے توازن کا راستہ اختیار کریں، تاکہ برصغیر کی معاشرتی روایات بھی برقرار رہیں اور کسی حد تک جدید تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر زندگی گزاری جائے ۔ان کے نزدیک مغربی تعلیم کے باعث مسلمانوں نے عربی کی تعلیم ترک کرنا شروع کر دی ہے۔نتیجتاً وہ اخلاقیات اور دین و مذہب سے دور ہو گئے ہیں۔انھوں نے اپنی قوم کے مذہبی زوال پر شدید رنج کا اظہار کرتے ہوئے جو احتجاجی رویہ اپنایا ہے۔عبداللہ یوسف علی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "اس تمدنی احتجاج کا عام پہلو وہ ہے جو ہمارے زمانے میں تمام ہندستان پر طاری ہو گیا ہے اور جس میں مغربی تمدن سے بے زاری کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر خاص پہلو مولانا کے اشعار میں وہ ہے جو مسلمانوں کے خیالات پر عکس ڈالتا ہے۔ مگر اسی قسم کی ہندو تحریکوں میں زیادہ تعمیری کوششیں پائی جاتی ہیں اور جب اس کا اظہار سیاسی کام میں کیا جاتا ہے تو ان سے اہم نتائج حاصل کرنے کی زیادہ امید ہو سکتی ہے۔ دوم اکبر نے ہندوستان میں ایمان اور مذہب کے زوال پر دلی رنج کا اظہار کیا ہے"۔(7)

اگر نوآبادیاتی عہد کے حالات کی نزاکت کو دیکھا جائے تو ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ انگریزی تعلیم اس وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔ اگر مسلمان اس طرف نہ آتے تو شاید وہ اپنا کھویا ہوا مقام تاہنوز حاصل نہ کر پاتے۔اس حوالے سے سرسید احمد خان کے افکار خاصی معنویت رکھتے ہیں۔اکبر الہ آبادی جنھوں نے سرسید کی مصلحت پسندی پر کڑی تنقید کی ہے خود ان کے خیالات اور نظریات میں بھی تضادات کے بعض پہلو نظر آتے ہیں۔اکبر ایک طرف انگریزی تعلیم کی مکمل مخالفت کرتے نظر آتے ہیں تو

دوسری طرف اپنے لخت جگر سید عشرت حسین کو تعلیم کے لیے لندن بھیجتے ہیں ۔انگریزوں کی مخاصمت میں اشعار لکھتے ہیں اور ملکہ وکٹوریہ لارڈ کرزن اور مسٹر تھامس برن کی شان میں قصیدے تحریر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

رہے تخت برطانیہ برقرار

رہے ہندیوں ہی اطاعت شعار

بعد کچھ تو ہو گی لائڈ جارج میں

آج کل دنیا ہے اس کے چارج میں(8)

درج بالا تضادات سے ہٹ کر اگر ان کے کلام کا تجزیہ کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ہاں حاوی رجحان مغربی اقدار اور نظریات کی تردید ہے۔ اردو کے بعض ناقدین نے ان کے نظریات کے تضادات سے بے اعتنائی برتتے ہوئے نو آبادیاتی نظام کی تردید اور مخالفت کو خوب سراہا ہے۔ خواجہ محمد زکریا اپنی تصنیف میں بیان کرتے ہیں:

"اکبر کے ہاں اپنے دور کے رجحانات خیالات اور نظریات کی تردید میں بہت زور صرف کیا گیا ہے۔ ان کے کلام کا ایک بڑا حصہ تردید تنقید اور تغلیظ کے مقاصد کی تکمیل کرتا ہے ۔اس لیے لامحالہ منفی خیالات کا غلبہ ہے اس کی ضرورت بھی شدید تھی مغرب کے ذہنی اور ظاہری غلبے کے خلاف آواز بلند کرنا اور اس پر شدت سے وار کرنا دور اکبر کی بہت بڑی ضرورت تھی"۔(9)

نو آبادیاتی نظام کے سب سے زیادہ اثرات برصغیر کے مسلمانوں پر ثبت ہوئے ہیں۔ یہاں کے مسلمانوں کا ایک بہت بڑا گروہ اس نظام کو بغیر سوچے سمجھے خوش آمدید کہنے پر آمادہ تھا۔ اکبر الہ آبادی محض ایک شاعر کے طور پر اپنے مسلمانوں کو للکار ہی نہیں رہے تھے، بلکہ وہ ایک دور اندیش انسان تھے جومابعد نو آبادیاتی اثرات کی بابت بہت فکر مند تھے۔ وہ برصغیر کے سیاسی و سماجی حالات پر بھی عمیق نگاہ رکھتے تھے۔ ان کے سامنے بدلتی ہوئی تہذیب اپنے نت نئے جلوے دکھا رہی تھی پھر ان دنوں مغربی تہذیب نوجوان نسل کے لیے پرکشش تھی۔ وہ دیوانہ وار اسے قبول کر رہے تھے ،جبکہ دوسری

طرف سامراج کے لیے یہ ملک ایک تجارتی منڈی سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ برصغیر اپنے خام مال اور کثیر آبادی کی بدولت برطانیہ کی تجارت کے لیے بہت سود مند تھا۔ سامراج مشرق کے لیے ایک معلم تہذیب بن گیا تھا لیکن اس کے پس پردہ اس کے اصل عزائم کو اکبر الہ آبادی جیسے اہل نظر ہی محسوس کر سکتے تھے۔

اکبر الہ آبادی اس نو آبادیاتی نظام کی مختلف جہتوں کو دیکھنے کے بعد یہ محسوس کر رہے تھے کہ انگریز طبقہ اہل مشرق کو اپنے زیر اثر رکھ کر اپنے مقاصد پورا کرنا چاہتا ہے۔انہیں اس بات کا بھی شدید قلق تھا کہ اہل وطن سامراجی عزائم سے بے خبر ہو کر بدلتی ہوئی تہذیب کے تیز دھاروں میں بہے جا رہے ہیں۔ایک مخصوص طبقہ تو خاص طور پر نوآبادیاتی نظام کے گن گانے میں مصروف تھا اکبر الہ آبادی نے اپنے ظریفانہ انداز سے سامراج کے فیوض و برکات کا ذکر کرتے ہوئے اپنے ہم عصروں، ہم نشینوں اور ہم وطنوں کی کج فہمی کا بین السطور ماتم کیا ہے۔ ان کی مشہور نظم" جلوہ دربار دہلی "اس کی عمدہ مثال ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اوج برٹش راج کا دیکھا

پرتو تخت و تاج کا دیکھا

رنگ زمانہ آج کا دیکھا

کرخِ زن معراج کا دیکھا

پہنچے پھاندھ کے سات سمندر

تخت میں ان کے بیسیوں بندر

اپنی جگہ ہر ایک سکندر (10)

اکبر الہ آبادی نے اگرچہ عملی سیاست میں حصہ نہیں لیا،تا ہم انہوں نے اپنی بصیرت اور بصارت سے سامراج کی پالیسیوں کا بغور مشاہدہ ضرور کیا ہے۔ مذکورہ نظم میں سامراج کے عروج کو طنزیہ لہجے میں بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ نظم میں

بین السطور ہندوستان کے انگریز وائسرائے لارڈ کرزن کے رعب و دبدبے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔دوسری طرف ان کے معاصرین جن کا ذکر درج بالا سطور میں کیا گیا ہے وہ انگریزی تہذیب اور نو آبادیاتی نظام کا چرچہ کر رہے تھے۔ اس سارے منظر نامے میں اکبر الہ آبادی وہ پہلے شاعر تھے جنہوں نے انگریزی تہذیب اور نو آبادیاتی نظام کی بھرپور مخالفت کی اور اسے طنز کا نشانہ بنایا۔ برطانوی حکومت پر ان کی تنقید کے بارے میں خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

> "اکبر الہ آبادی جب برطانوی حکومت پر تنقید کرتے ہیں تو اگرچہ یہ تنقید ہمہ گیر اور حکومت کے ہر شعبے پر محیط ہوتی ہے مگر ہندوستان میں انگریزوں کی لوٹ کھسوٹ، معاشی استحصال اور ظلم و ستم کے واقعات خصوصی طور پر ان کے مد نظر رہتے ہیں"۔(11)

اصل میں اکبر الہ آبادی ہندوستان میں انگریزوں کے جورو ستم خواہ وہ داخلی ہوں یا خارجی مکمل آگاہی رکھتے تھے۔چونکہ وہ ظریفانہ انداز رکھتے ہیں، لہٰذا انہوں نے اپنے عہد کے تاریخی عوامل کے تجزیے کی بجائے اس کے اثرات کو موضوع بنایا ہے۔ ان کے کردار کی یہ انفرادیت ہے کہ وہ انگریزی نظام سے حاصل ہونے والے چند فوائد کی وجہ سے اس کے اثرات اور بالخصوص نقصانات کو قطعی نظر انداز نہیں کرتے اور نہ ہی اس ضمن میں ان کا رویہ جذباتی ہوتا ہے۔ انہوں نے سامراج کی حکمت عملی کو شعور کی آنکھ سے دیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سر سید کی مصالحانہ روش کی بجائے اپنا نقطہ نظر بے باک انداز میں بیان کرتے ہیں۔ہندوستان میں انگریزی کی نووارد تہذیب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

تہذیب نو کے رنگ پہ بلبل بنے ہیں سب
واللہ کیا بہار ہے اس سبز باغ پر (12)

اکبر الہ آبادی اہل مغرب کی نام نہاد دانشوری کا شعور اور ان کی جملہ پالیسیوں کا ادراک بھی رکھتے تھے۔ ان کا یہ سیاسی شعور دراصل مزاحمت کے ڈسکورس کا حامل تھا یہی مابعد نو آبادیاتی ڈسکورس ہے کہ کسی نظام کے اندر رہ کر اس کی

جلد نمبر06، شمارہ نمبر01، جون-2025

خامیوں کی نشاندہی کرنا اور اس پر تنقید کرنا۔مابعد نوآبادیاتی فکر کے زیراثر پروان چڑھنے والے اس شعری پیرائے کے بارے میں شمس الرحمن فاروقی لکھتے ہیں:

"اکبر پہلے ہندوستانی تھے جنھوں نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ ہندوستان میں تعلیم، ترقی، اصلاح اور جدید مصنوعات اور وسائل کے قیام کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ دراصل نوآبادیاتی سیاست اور مغربی سرمایہ دارانہ پھیلاؤ کے استحکام کے لیے ہے"۔(13)

نو آبادیاتی نظام کی جملہ پالیسیوں میں ایک اہم پالیسی تعلیم کی بھی تھی۔ انگریز نے مقامی تعلیمی نظام کو کھوکھلا اور بے سود قرار دے کر بہت سی تعلیمی اصلاحات کیں ۔ نئے تعلیمی پیراڈائمز وضع کیے گئے اور ہندوستان کواپنی وضع کردہ تعلیم کے حصول پر مجبور کیا گیا۔ اس کے پس پردہ نوآبادیاتی منفعت کار فرما تھی اکبر الہ آبادی نے انگریز کےوضع کردہ اس تعلیمی نظام کا خوب تمسخر اڑایاہے۔ مثال ملاحظہ کیجیے۔

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا
شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
علم مغربی پڑھ کے ہوں گی ایسی خود سر بیبیاں
بیبیاں شوہر بنیں گی اور شوہر بیبیاں(14)

اکبر ایک مہذب مشرقی معاشرے کو مشینی اور میکانکی معاشرے میں بدلنے کے خلاف تھے ۔اصل میں وہ مغربی تعلیم سے بھی زیادہ مادیت اور صارفیت کے خلاف تھے۔ انہیں مادی اشیاء سے زیادہ روحانی اقدار عزیز تھیں۔ نوآبادیاتی دور میں ایک خاص طبقہ جو مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک سے مرعوب ہو رہا تھا۔وہ اس طبقے کو مغلوبیت اور مرعوبیت کے احساس سے باہر نکالنا چاہتے تھے۔ انہوں نے نوجوانوں کو تلقین کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

جلد نمبر06، شمارہ نمبر01، جون-2025

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو

اٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو

بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا میں سفر سیکھو

خواص خشک و تر سیکھو علوم بحر و بر سیکھو(15)

الغرض اکبر نے جدید تعلیم کی فسوں کاری کو جگہ جگہ بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک انگریز کے تعلیمی نظام نے روح اور عقل کو مغرب کا غلام بنا دیا ہے ۔دراصل مغربی سامراج اہل مشرق کو فضول باتوں میں الجھا کر اپنے فوائد حاصل کر رہے تھے۔ استعماری نظام نے مشرقی اقوام کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ اکبر اس بات کے خواہاں تھے کہ ہمیں اپنی روایات اور تہذیبی ورثے کی خود حفاظت کرنی چاہیے ۔انہیں تو ما بعد نو آبادیاتی اثرات میں برصغیر کے لوگوں کی مقامی شناخت مسخ ہوتی نظر آرہی تھی ۔ اصل میں وہ مغربی تعلیم کے مخالف نہ تھے بلکہ اس کے منفی اور پر فریب جال سے بچنے کے خواہاں تھے۔ وہ ایسی تعلیم کے قائل تھے جو طلبہ میں تعمیری سوچ کو پروان چڑھائے نہ کہ انہیں غلامی کی طرف مائل کرے۔ وہ قومی غیرت اور اس کی پاسداری کے قائل تھے اور تعلیم میں خیر وشر اور تعمیروتخریب میں امتیاز رکھتے تھے ۔یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے ان افکار اور اوصاف کو اپنانے پر زور دیا ہے جو اہل مشرق کا شیوہ ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ مابعد نو آبادیاتی فکر کا آغاز نو آبادیات کے خاتمے کے بعد شروع نہیں ہوتا بلکہ نو آبادیات کے خلاف پہلی مزاحمتی آواز سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اکبر کے ہاں جو علامات اور کردار پائے جاتے ہیں ان سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ان کرداروں اور علامتوں کے ذریعے سامراج کے تسلط اور ان کی پالیسیوں کو ہی ہدفِ تنقید نہیں بنایا ہے، بلکہ اس زد میں ان کے اپنے ہم وطن بھی آتے ہیں۔ اکبر چونکہ خود وکیل اور سیشن جج بھی رہے لہذا ان کا سیاسی شعور خاصہ بلند ہے۔ انگریزوں کی نو آبادیاتی پالیسیوں کے ضمن میں یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ اکبر نے انگریزوں کی سیاسی،علمی اور تہذیبی سرگرمیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخز کیا کہ بنیادی طور پر یہ قوم مکار اور موقع پرست ہے۔ ان کی ہر پالیسی اور ہر قدم ذاتی منفعت پر مبنی ہوتا ہے۔

اکبر الہ آبادی کو اپنی مشرقی تہذیب سے خاص لگاؤ تھا۔وہ اس تہذیب کی عظیم روایات کو یاد کرتے ہیں جو کبھی اہل مشرق کی پہچان ہوا کرتی تھیں۔ انگریزوں کی آمد سے قبل اور شاہ جہاں کے عہد تک آتے آتے برصغیر ایک متمدن ریاست کاروپ اختیار کر چکا تھا۔ اس دور میں تاج محل جیسا آرٹ کا اعلیٰ نمونہ سامنے آیا مساجد اور تاریخی عمارات کی تعمیر نے تہذیب کے وہ آثار مستحکم کیے ،جو مشرقی تہذیب کی نمائندگی کرتے تھے۔ ڈاکٹر افصح ظفر لکھتی ہیں:

"اکبر قومی طور پر اس ورثہ سے اس لیے ذہنی وابستگی محسوس کرتے ہیں کہ وہ زمانہ سچ مچ اپنی تمام معصومیت کے ساتھ ہندوستان کے رہنے والے مختلف فرقوں میں ایک برادرانہ ہم آہنگی پیدا کر رہا تھا، اور جب اس کی نشو نما مکمل ہونے والی تھی کہ تاریخ کے دھارے میں یہ نئی اور اجنبی گوری قوم آ کررخنے ڈالنے لگتی ہے اور وہ قومی آہنگی اور وسیع النظری کا فطری ارتقا ہمیشہ کے لیے رک جاتا ہے"۔(16)

اکبر جب اس مغربی اور سامراجی طاقت کو جدید آلات سے لیس دیکھتے ہیں تو انہیں مشرقی اقدار کا انہدام اس لیے بھی واضح دکھائی دیتا ہے کہ اب برصغیر کی اقوام کج روی اور افتراق کا شکار ہو چکے ہیں۔ان کے نزدیک سماجی ومعاشرتی صورت حال کا یہ یکسر تغیر نو آبادیاتی نظام کی دین ہے۔برصغیر کی سماجی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی حوالے سے اس قدر تبدیلی ان کے لیے حیران کن ہی نہیں بلکہ پریشانی کا باعث بھی تھی۔انھوں نے استعماریت اور انگریزی تہذیب وثقافت کے خلاف جو شعری نشتر چلائے وہ بلکل بے جا نہ تھے۔ اس عصری اور سماجی صورتحال میں ان کی بصیرت افروز نگاہ ان حالات کو دیکھ رہی تھی، جو آگے چل کر اس قوم کا مقد بننے والے تھے۔

حوالہ جات

جلد نمبر06، شمارہ نمبر01، جون-2025

1۔ایڈورڈ سعید،" ثقافت اور سامراج "مترجم: یاسر جواد (مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد طبع اول ۲۰۰۹ء)،ص۲۲

2۔ڈاکٹر ناصر عباس نیر، نوآبادیاتی صورتحال، مشمولہ سہ ماہی، ادب ساز، دہلی جلد ۲،شمارہ ۵ جولائی تا دسمبر، ۲۰۰۷ء، ۵۰

3۔اکبر الہ آبادی،"کلیات اکبر الہ آبادی"،(لاہور: خزینہ علم وادب،2010ء)،ص8

4۔اکبر الہ آبادی،"کلیات اکبر الہ آبادی"ص412

5۔اکبر الہ آبادی،"کلیات اکبر الہ آبادی"ص338

6۔ اکبر الہ آبادی،"کلیات اکبر الہ آبادی"ص387

7۔عبداللہ یوسف علی،"انگریز عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ"،(لاہور: دوست ایسوسی ایٹس،1994ء)،ص345

8۔ اکبر الہ آبادی،"کلیات اکبر الہ آبادی"ص489

9۔ خواجہ محمد زکریا،"اکبر الہ آبادی تحقیقی و تنقیدی مطالعہ "،(لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء)،ص۱۲۳

10۔اکبر الہ آبادی،"کلیات اکبر الہ آبادی"ص501

11۔ خواجہ محمد زکریا، اکبر الہ آبادی تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، ص۱۷۳

12۔ اکبر الہ آبادی،"کلیات اکبر الہ آبادی"ص515

13۔شمس الرحمان فاروقی، اکبر الہ آبادی، نوآبادیاتی نظام اور عہد حاضر، مشمولہ: نوآبادیات ومابعد نوآبادیات (مرتبہ) محمد عامر سہیل (لاہور، عکس پبلی کیشنز،۲۰۰۹ء) ص۲۷۴

14۔ اکبر الہ آبادی،"کلیات اکبر الہ آبادی"ص192

15۔ اکبر الہ آبادی،"کلیات اکبر الہ آبادی"ص252

16۔ڈاکٹر افصح ظفر، "اکبر الہ آبادی ایک سیاسی و سماجی مطالعہ"،(لاہور، دارالشعور، ۲۰۰۵ء)، ص۱۱۲